ریاست کی معاشی صحت کے

اشاریے

اور پاکستان کا طبقاتی تجزیہ

بسم الله الرحمن الرحيم

کسی ریاست کی حقیقی معاشی صحت کا اندازہ اوپری طبقے کی دولت سے نہیں بلکہ نچلے اور درمیانی طبقے کی حالت سے لگایا جاتا ہے۔ دنیا میں معاشی ماہرین اور پالیسی ساز ادارے مختلف اشاریے (indicators) استعمال کرتے ہیں تاکہ کسی ملک کے اندر طبقاتی تقسیم، آمدنی کا توازن، اور فلاحی سطح کو ناپا جا سکے۔ ان اشاریات کو مجموعی طور پر "Socio-Economic Indicators" کہا جاتا ہے۔ ذیل میں ان کا تفصیلی تجزیہ ہے:

کسی ریاست کے نچلے طبقے کی معاشی حالت کا اندازہ عام طور پر اس بات سے کیا جاتا ہے کہ وہاں کتنے لوگ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کے لیے "Poverty Headcount Ratio" اور "Multidimensional Poverty Index (MPI)" استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان میں صرف آمدنی ہی نہیں دیکھی جاتی بلکہ صحت، تعلیم، رہائش، صاف پانی اور روزگار کے مواقع بھی شامل ہوتے ہیں۔ اگر یہ اشاریہ زیادہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ نچلا طبقہ محرومی، بیروزگاری اور سماجی کمزوری کا شکار ہے۔

درمیانی طبقے کی کیفیت دیکھنے کے لیے سب سے اہم اشاریہ "Income Distribution" یا "Gini Coefficient" ہوتا ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ ایک ملک

میں دولت کتنی مساوی یا غیر مساوی طور پر تقسیم ہے۔ اگر Gini Index زیادہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرکوز ہے اور درمیانی طبقہ سکڑ رہا ہے۔ اسی طرح Household Consumption Expenditure اور Savings Rate بھی بتاتے ہیں کہ درمیانی طبقہ اپنی آمدنی کا کتنا حصہ خرچ یا بچا سکتا ہے۔ اگر یہ طبقہ زیادہ قرض لے کر روزمرہ ضروریات پوری کر رہا ہو تو سمجھنا چاہیے کہ معیشت کا دباؤ بڑھ رہا ہے۔

اوپری طبقے کی معاشی کیفیت کا اندازہ Wealth Concentration Indicators سے لگایا جاتا ہے، یعنی ملک کی کُل دولت کا کتنے فیصد حصہ امیر ترین 10 یا 1 فیصد کے پاس ہے۔ اگر یہ تناسب بہت زیادہ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ معیشت طبقاتی عدم توازن میں مبتلا ہے۔ اسی طرح Stock Market Capitalization، Luxury Goods Consumption, اور High Net Worth Individuals (HNWIs) کی تعداد یہ ظاہر کرتی ہے کہ اوپری طبقہ کتنا طاقتور اور مستحکم ہے۔

ان سب طبقوں کی مجموعی تصویر کو دیکھنے کے لیے Human Development Index (HDI) ایک اہم اشاریہ سمجھا جاتا ہے، کیونکہ یہ صرف آمدنی نہیں بلکہ تعلیم اور صحت کو بھی پیمانہ بناتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ Employment Rate, Minimum Wage Level, اور Cost of Living Index بھی یہ بتاتے ہیں کہ عوام کے لیے روزگار، اجرت اور ضروریاتِ زندگی کس حد تک قابلِ برداشت ہیں۔

اگر کسی ملک میں مہنگائی کی شرح تیز، اجرتیں جامد، اور دولت کا ارتکاز اوپری طبقے میں ہو، تو اس کا مطلب ہے کہ نظام استحصالی ہے اور نچلا و درمیانی طبقہ معاشی دباؤ میں پس رہا

ہے۔ بر عکس اس کے اگر روزگار کے مواقع وسیع ہوں، تعلیم اور صحت عام آدمی کی دسترس میں ہوں، اور دولت کی تقسیم متوازن ہو، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ ریاست کا معاشی ڈھانچہ عدل پر مبنی ہے۔

کسی ریاست کے نچلے، درمیانی اور اوپری طبقے کی معاشی کیفیت کو سمجھنے کے لیے جو اشاریے استعمال کیے جاتے ہیں، وہ اُس وقت زیادہ مؤثر بن جاتے ہیں جب انہیں عملی مثالوں سے سمجھا جائے۔ ہر اشاریہ دراصل ایک "علامت" ہے — جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دولت، مواقع اور فلاح و بہبود کس طبقے کے حصے میں آ رہی ہے۔ اب آیئے انہیں مثالوں کے ساتھ سمجھتے ہیں۔

اگر کسی ملک میں غربت کی شرح (Poverty Headcount Ratio) زیادہ ہے، مثلاً پاکستان یا بھارت میں تقریباً چالیس فیصد آبادی روزانہ دو سے تین ڈالر سے کم پر گزارا کر رہی ہے، تو یہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ نچلا طبقہ بنیادی ضروریاتِ زندگی — جیسے کھانا، علاج، تعلیم اور رہائش — سے محروم ہے۔ اس کے بر عکس سویڈن یا جاپان جیسے ممالک میں یہ شرح ایک فیصد سے بھی کم ہے، جہاں ریاست نے فلاحی نظام کے ذریعے نچلے طبقے کو سہارا دیا ہے۔ اس اشاریے سے پتہ چلتا ہے کہ کسی ملک میں دولت صرف پیدا نہیں کی جا رہی بلکہ کیا وہ عوام تک پہنچ بھی رہی ہے یا نہیں۔ مثال کے طور پر: "Poverty Headcount Ratio" دراصل یہ بتاتا ہے کہ کسی ملک میں کتنے لوگ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ غربت کی لکیر ایک ایسی کم از کم آمدنی ہے جس پر کوئی شخص یا گھرانہ اپنی بنیادی ضروریات — جیسے خوراک، رہائش، علاج اور تعلیم — پوری

نہیں کر سکتا۔ عالمی بینک کے مطابق یہ حد عام طور پر روزانہ 2.15$ یا 3.20$ فی کس آمدنی کے معیار سے ناپی جاتی ہے (ملک کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہے)۔

مثلاً اگر پاکستان میں چالیس فیصد آبادی کی روزانہ آمدنی تین ڈالر سے کم ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ صرف کم پیسہ کما رہے ہیں، بلکہ یہ ایک علامت ہے کہ وہ اپنی روزمرہ ضروریات پوری کرنے میں ناکام ہیں۔ اس کی تفصیل کو مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے:

فرض کریں ایک خاندان لاہور یا فیصل آباد کے نواح میں رہتا ہے، اور ان کی کل ماہانہ آمدنی تقریباً 25,000 روپے ہے۔ اگر خاندان میں پانچ افراد ہیں تو ہر فرد کے حصے میں روزانہ تقریباً 166 روپے آتے ہیں، جو تقریباً 0.60$ بنتے ہیں۔ یہ آمدنی خوراک، کرایہ، بجلی، گیس، تعلیم یا دوا کے اخراجات کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ:

- وہ خاندان غذائی معیار میں کمی کرتا ہے، یعنی صرف پیٹ بھرنے تک کھانا کھاتا ہے، غذائیت نہیں ملتی۔
- بچے اسکول چھوڑ دیتے ہیں تاکہ مزدوری کریں۔
- بیماری کی صورت میں دوا یا ڈاکٹر تک رسائی ممکن نہیں رہتی۔
- رہائش خستہ یا غیر محفوظ علاقوں میں محدود ہو جاتی ہے۔

اسی طرح بھارت کے دیہی علاقوں میں، جہاں لوگوں کی یومیہ آمدنی دو سے تین ڈالر کے درمیان ہے، وہاں بھی یہی محرومیاں دیکھی جاتی ہیں۔ لوگ عارضی جھونپڑیوں میں

رہتے ہیں، بچوں کو تعلیم کے بجائے مزدوری پر بھیجتے ہیں، اور صحت کے اخراجات برداشت نہ کر پانے کی وجہ سے بیماریاں طویل ہوتی جاتی ہیں۔

لہٰذا Poverty Headcount Ratio دراصل معاشی محرومی کا ایک پیمانہ ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ آبادی کا کتنا بڑا حصہ اپنی زندگی کی بنیادی شرائط پوری کرنے کے قابل نہیں رہا۔ اس سے کسی ملک کے نچلے طبقے کی حقیقی حالتِ زار، یعنی معاشی غربت، سماجی کمزوری اور انسانی فلاح سے دوری کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسی طرح کثیر الجہتی غربت کا اشاریہ (Multidimensional Poverty Index) صرف آمدنی نہیں بلکہ تعلیم، صحت، پانی، بجلی، اور بنیادی سہولتوں کو بھی دیکھتا ہے۔ مثلاً اگر کسی ملک میں لوگوں کے پاس کھانے کو تو ہے لیکن صاف پانی، علاج یا تعلیم نہیں، تو وہ بھی "غریب" کہلاتے ہیں۔ افریقہ کے کئی ممالک میں آمدنی میں کچھ بہتری آئی ہے لیکن MPI اب بھی بلند ہے، کیونکہ صحت اور تعلیم کی سہولیات نچلے طبقے تک نہیں پہنچ سکیں۔ مثال کے طور پر: Multidimensional Poverty Index (MPI) ایک ایسا جامع پیمانہ ہے جو غربت کو صرف آمدنی سے نہیں بلکہ زندگی کی بنیادی جہتوں میں محرومی سے ناپتا ہے۔ یعنی یہ صرف یہ نہیں دیکھتا کہ لوگ کتنے پیسے کماتے ہیں بلکہ یہ جانچتا ہے کہ ان کے پاس وہ چیزیں اور سہولتیں موجود ہیں یا نہیں جن کے بغیر انسانی زندگی بامعنی اور باعزت نہیں ہو سکتی۔

MPI عموماً تین بڑی جہتوں پر مشتمل ہوتا ہے — صحت، تعلیم، اور معیارِ زندگی۔ ہر جہت میں کئی ذیلی اشاریے شامل ہوتے ہیں، مثلاً صحت میں غذائی قلت اور بچوں کی اموات، تعلیم میں تعلیم کے سال اور اسکول میں داخلہ، اور معیارِ زندگی میں بجلی، پینے کے

صاف پانی، ایندھن، گھر کی حالت، اور بنیادی اثاثوں کی موجودگی یا عدم موجودگی۔ جب کسی فرد یا خاندان کو ان میں سے کم از کم ایک تہائی اشاریوں میں محروم پایا جاتا ہے تو اسے کثیر الجہتی غربت (multidimensional poverty) کا شکار سمجھا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر پاکستان کے دیہی علاقوں میں ایک گھرانے پر غور کریں جہاں نہ مستقل بجلی ہے، نہ پینے کا صاف پانی، بچوں میں سے آدھے اسکول نہیں جاتے، اور اکثر افراد غذائی قلت کا شکار ہیں۔ اگرچہ یہ گھرانہ روزانہ چار ڈالر بھی کما لیتا ہو، تب بھی MPI کے لحاظ سے یہ غربت میں شمار ہوگا، کیونکہ آمدنی ہونے کے باوجود زندگی کی بنیادی سہولتوں سے محرومی اسے غربت کے دائرے میں رکھتی ہے۔

اسی طرح بھارت کے کسی شہری علاقے میں اگر ایک مزدور خاندان کی ماہانہ آمدنی متوسط درجے کے قریب ہو، لیکن ان کے بچے اسکول نہ جا سکیں، رہائش غیر صحت مند ماحول میں ہو، اور علاج کی سہولت دستیاب نہ ہو، تو MPI بتائے گا کہ یہ خاندان تعلیمی و صحتی محرومی کے باعث "غربت" میں آتا ہے۔

یوں Multidimensional Poverty Index ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ محرومی صرف کم آمدنی کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک بنیادی انسانی امکانات کی عدمِ تکمیل ہے۔

آمدنی کی تقسیم (Income Distribution) کا اشاریہ یا Gini Coefficient یہ بتاتا ہے کہ دولت کتنی منصفانہ طور پر تقسیم ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی ملک کا Gini Index 0.25 ہے، جیسا کہ ناروے یا ڈنمارک میں، تو اس کا مطلب ہے کہ وہاں دولت نسبتاً برابر بٹی ہوئی ہے۔ لیکن اگر یہ 0.50 یا اس سے زیادہ ہو، جیسا کہ برازیل یا جنوبی افریقہ میں، تو اس کا مطلب ہے کہ امیر بہت امیر اور غریب بہت غریب ہیں۔ اس سے

درمیانی طبقے کی کمزوری اور طبقاتی کشمکش کا پتہ چلتا ہے۔ مثال کے طور پر: Gini Coefficient یا Gini Index وہ پیمانہ ہے جس سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ کسی ملک میں آمدنی یا دولت کی تقسیم منصفانہ ہے یا غیر منصفانہ۔ اس کا عدد ہمیشہ 0 اور 1 کے درمیان ہوتا ہے، جہاں
0 کا مطلب ہے کہ آمدنی بالکل برابر تقسیم ہے (یعنی ہر فرد کے پاس یکساں دولت ہے)، جبکہ 1 کا مطلب ہے کہ آمدنی انتہائی غیر مساوی ہے (یعنی ساری دولت چند افراد کے پاس مرتکز ہے)۔

یہ اشاریہ دراصل Lorenz Curve سے حاصل کیا جاتا ہے، جو یہ دکھاتی ہے کہ ملک کی کل آمدنی کا کتنا فیصد حصہ آبادی کے مختلف طبقوں کو مل رہا ہے۔ اگر یہ خط مکمل برابری کی لکیر سے جتنا زیادہ جھک جاتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ دولت میں اتنا ہی زیادہ فرق ہے۔

مثال کے طور پر اگر پاکستان میں Gini Coefficient 0.33 کے قریب ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آمدنی میں اعتدال درجے کی ناہمواری موجود ہے۔ مگر جب ہم شہری اور دیہی علاقوں کو الگ دیکھیں تو تصویر مختلف دکھائی دیتی ہے۔

کراچی، لاہور، اسلام آباد جیسے شہروں میں چند فیصد لوگ بڑی صنعتوں، پراپرٹی، یا فنانشل سیکٹر سے بہت زیادہ دولت کماتے ہیں، جبکہ نچلا طبقہ — خاص طور پر غیر رسمی مزدور، ریڑھی بان، اور دیہاڑی دار — روزمرہ کی ضروریات کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ نتیجتاً شہری علاقوں میں Gini Coefficient زیادہ (تقریباً 0.38–0.40) دکھائی دیتا ہے۔

دوسری طرف، دیہی علاقوں میں اگرچہ عام آمدنی کم ہے، لیکن سب کا معیارِ زندگی تقریباً ایک جیسا ہونے کی وجہ سے عدم مساوات نسبتاً کم ہوتی ہے، یعنی وہاں Gini Coefficient تقریباً 0.26–0.28 کے قریب رہتا ہے۔

بھارت میں بھی یہی رجحان نظر آتا ہے۔ بنگلور اور ممبئی جیسے شہروں میں ٹیکنالوجی اور سرمایہ دار طبقہ تیزی سے امیر ہو رہا ہے، جبکہ غریب آبادی کی آمدنی تقریباً جمود کا شکار ہے۔ وہاں Gini Coefficient 0.47 کے قریب پہنچ گیا ہے، جو شدید طبقاتی فرق کو ظاہر کرتا ہے۔

یہ اشاریہ بتاتا ہے کہ اگر کسی ملک میں Gini Coefficient بڑھ رہا ہو تو اس کا مطلب ہے کہ غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہو رہا ہے۔ نتیجتاً معاشرتی استحکام، امن، اور سیاسی اعتماد بھی کمزور ہوتا ہے۔

درمیانی طبقے کی حالت سمجھنے کے لیے Household Consumption Expenditure کو دیکھا جاتا ہے۔ مثلاً اگر ایک اوسط گھرانہ اپنی آمدنی کا ساٹھ فیصد حصہ خوراک اور کرایے پر خرچ کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اسے بچت یا سرمایہ کاری کا موقع نہیں مل رہا۔ یہ حالت کئی ترقی پذیر ممالک میں عام ہے۔ اس کے برعکس جرمنی یا کینیڈا میں درمیانی طبقہ اپنی آمدنی کا بڑا حصہ بچت یا تعلیم پر لگا سکتا ہے، جو ان کی معاشی سلامتی کی علامت ہے۔ مثال کے طور پر: Household Consumption Expenditure (HCE) یعنی "خاندانی یا گھریلو اخراجات" کسی ملک کے درمیانی طبقے کی حالت سمجھنے کا نہایت مؤثر پیمانہ ہے، کیونکہ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ ایک عام گھرانہ اپنی آمدنی کو کھانے، تعلیم، علاج، رہائش، اور تفریح پر کس طرح خرچ کر رہا ہے۔ آمدنی

کا دعویٰ یا اعداد و شمار کبھی کبھار درست تصویر نہیں دیتے، مگر اخراجات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کا معیارِ زندگی کتنا بہتر یا بدتر ہے۔

اس اشاریے کا بنیادی اصول یہ ہے کہ اگر کسی ملک کے زیادہ تر گھرانے اپنی آمدنی کا بڑا حصہ صرف خوراک اور رہائش پر خرچ کر رہے ہوں، تو اس کا مطلب ہے کہ درمیانی طبقہ دباؤ میں ہے، کیونکہ اس کے پاس تعلیم، صحت، بچت یا سرمایہ کاری کے لیے زیادہ رقم نہیں بچتی۔ لیکن اگر گھرانے اپنے بجٹ کا نسبتاً چھوٹا حصہ کھانے پر اور بڑا حصہ معیارِ زندگی کو بہتر بنانے والے پہلوؤں (مثلاً تعلیم، سفر، ٹیکنالوجی یا تفریح) پر خرچ کر رہے ہوں تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ متوسط طبقہ مضبوط ہے۔

مثال کے طور پر پاکستان میں HCE کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ایک شہری گھرانہ اپنی آمدنی کا تقریباً 45 سے 55 فیصد صرف خوراک پر خرچ کرتا ہے، جبکہ دیہی گھرانے میں یہ شرح 60 سے 65 فیصد تک پہنچ جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ متوسط طبقے کی مالی حالت غیر مستحکم ہے، کیونکہ آمدنی کا بڑا حصہ بنیادی ضرورتوں پر خرچ ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً تعلیم، صحت یا بچت کے لیے وسائل باقی نہیں بچتے۔

کراچی یا لاہور جیسے شہروں میں اگرچہ کچھ گھرانوں کی آمدنی نسبتاً زیادہ ہے، مگر بڑھتی ہوئی رہائش، بجلی، گیس، اور ٹرانسپورٹ کی لاگت نے HCE کو بہت بڑھا دیا ہے۔ ایک درمیانے درجے کے ملازم کو اپنی ماہانہ آمدنی کا تقریباً 70 سے 80 فیصد حصہ صرف بنیادی ضروریات پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی اچانک طبی ہنگامی حالت یا تعلیم کا بڑا خرچ آجائے تو یہ گھرانہ فوراً معاشی دباؤ میں آجاتا ہے۔

بھارت میں بھی یہی رجحان دیکھا جاتا ہے۔ نیشنل سیمپل سروے آفس (NSSO) کے مطابق شہری علاقوں میں متوسط طبقے کے گھرانے اپنی آمدنی کا 50 فیصد سے زیادہ صرف خوراک اور کرائے پر خرچ کرتے ہیں، جبکہ دیہی علاقوں میں یہ شرح 65 فیصد سے اوپر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ "درمیانہ طبقہ" محض زندگی برقرار رکھنے والے اخراجات کے گرد گھوم رہا ہے، ترقی یا سرمایہ کاری کے امکانات بہت کم ہیں۔

اسلامی معیشت کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو Household Consumption Expenditure کا بڑھ جانا ایک سماجی غیر توازن کی علامت ہے، کیونکہ اسلام میں معتدل خرچ، بچت، اور اجتماعی فلاح (زکات و انفاق) پر زور دیا گیا ہے۔ اگر متوسط طبقہ اپنی تمام آمدنی صرف بقا کے لیے خرچ کر رہا ہو، تو اس کا مطلب ہے کہ معاشرے کی دولت کا توازن بگڑ چکا ہے، اور ریاست نے "کفایت، توازن، اور عدل" کے اصولوں کی حفاظت نہیں کی۔

یوں HCE ہمیں بتاتا ہے کہ متوسط طبقہ کس حد تک بنیادی بوجھ سے آزاد ہو کر انسانی ترقی کی طرف بڑھ رہا ہے یا نہیں۔ جتنا زیادہ یہ اخراجات بنیادی ضروریات میں قید ہوں، اتنا ہی واضح ہوتا ہے کہ معاشی نظام میں ناہمواری بڑھ چکی ہے اور درمیانی طبقہ بتدریج نچلے طبقے کی طرف سرک رہا ہے۔

اسی طرح Wealth Concentration یا دولت کے ارتکاز کا اشاریہ واضح کرتا ہے کہ ایک ملک کی کل دولت کا کتنا حصہ امیر ترین طبقے کے پاس ہے۔ امریکہ میں مثلاً 1 فیصد طبقہ ملک کی تقریباً 40 فیصد دولت کا مالک ہے، جبکہ نچلے 50 فیصد کے پاس صرف دو فیصد دولت ہے۔ یہ ایک گہرا استحصالی فرق ظاہر کرتا ہے۔ اس کے برعکس جاپان میں یہ فرق

نسبتاً کم ہے، کیونکہ وہاں دولت کا ارتکاز محدود ہے اور کمپنیوں کے منافع میں کارکنوں کو بھی حصہ ملتا ہے۔ مثال کے طور پر: Wealth Concentration یا دولت کا ارتکاز وہ اشاریہ ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ کسی ملک کی کل دولت کا کتنا بڑا حصہ چند فیصد امیر ترین افراد یا گھرانوں کے ہاتھ میں جمع ہے۔ یہ پیمانہ آمدنی (Income) سے مختلف ہے، کیونکہ آمدنی کسی کی ماہانہ یا سالانہ کمائی کو ظاہر کرتی ہے، جبکہ دولت (Wealth) اُس جمع شدہ اثاثے کو بتاتی ہے جو کسی کے پاس زمین، جائیداد، کاروبار، سونا، اسٹاک، یا بینک ڈیپازٹس کی صورت میں موجود ہے۔

دولت کے ارتکاز کو ناپنے کے کئی طریقے ہیں، مگر سب سے عام پیمانہ یہ ہے کہ ملک کے کل اثاثوں میں سے سب سے امیر 10 فیصد، 1 فیصد، یا 0.1 فیصد افراد کے پاس کتنا حصہ ہے۔ اگر یہ فیصد زیادہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں ہے اور باقی معاشرہ اس دولت سے بے حصہ یا محروم ہے۔

مثال کے طور پر، Credit Suisse Global Wealth Report 2023 کے مطابق پاکستان میں امیر ترین 1 فیصد افراد کے پاس ملک کی تقریباً 22 فیصد دولت ہے، جبکہ نچلے 50 فیصد لوگوں کے پاس صرف 6 فیصد دولت رہ جاتی ہے۔ یعنی آدھی آبادی محض چند خاندانوں کے برابر دولت بھی نہیں رکھتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طاقت، وسائل، اور مواقع — سب ایک محدود طبقے کے ہاتھ میں مرتکز ہو جاتے ہیں۔

بھارت میں صورتحال اس سے بھی زیادہ غیر متوازن ہے۔ Oxfam India Report 2022 کے مطابق صرف ایک فیصد امیر ترین بھارتیوں کے پاس ملک کی 40 فیصد سے زیادہ دولت ہے، جبکہ نچلے 50 فیصد عوام کے پاس محض 3 فیصد۔ اس کا مطلب ہے کہ

بھارت میں جو دولت پیدا ہوتی ہے، وہ نیچے کے طبقوں تک نہیں پہنچتی بلکہ "اوپر" ہی گردش کرتی ہے۔ ممبئی یا دہلی کے مہنگے علاقوں میں رہنے والے سرمایہ داروں کے پاس وہ وسائل ہیں جو لاکھوں دیہی خاندانوں کے اجتماعی اثاثوں کے برابر ہیں۔

ترقی یافتہ ممالک میں بھی یہی رجحان پایا جاتا ہے، اگرچہ وہاں ریاستی فلاحی نظام کچھ توازن برقرار رکھتا ہے۔ امریکہ میں، فیڈرل ریزرو کے مطابق، سب سے امیر 1 فیصد گھرانوں کے پاس قومی دولت کا تقریباً 32 فیصد حصہ ہے۔ یعنی دولت کا ایک تہائی حصہ چند لاکھ خاندانوں کے ہاتھ میں ہے، جبکہ کروڑوں امریکی اوسط یا نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ ارتکاز محض ایک عددی حقیقت نہیں بلکہ معاشی استحصال کی علامت ہے، کیونکہ جب دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے تو پالیسی سازی، منڈی کی سمت، اور سیاسی طاقت بھی انہی ہاتھوں میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اس سے متوسط اور نچلا طبقہ معاشی غلامی میں جکڑ جاتا ہے۔

Human Development Index (HDI) ایک جامع اشاریہ ہے جو تعلیم، صحت اور آمدنی کو ملا کر کسی ملک کی انسانی ترقی کی سطح دکھاتا ہے۔ ناروے، سوئٹزرلینڈ اور آسٹریلیا کے HDI بلند ہیں، یعنی ان کے شہری طویل عمر پاتے ہیں، بہتر تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اچھی آمدنی رکھتے ہیں۔ دوسری طرف نچلے درجے کے ممالک مثلاً نائیجریا افغانستان میں HDI کم ہے، جو انسانی محرومی کو ظاہر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر: Human Development Index (HDI) دراصل اقوامِ متحدہ (UNDP) کا بنایا ہوا ایک جامع اشاریہ ہے جو یہ ناپنے کے لیے استعمال ہوتا ہے کہ کسی ملک کے لوگ "کس معیار کی زندگی" گزار رہے ہیں۔

یہ صرف آمدنی پر نہیں بلکہ تین بنیادی انسانی پہلوؤں پر مبنی ہوتا ہے:

1. صحت → (Health) اوسط عمر (Life Expectancy at Birth)
2. تعلیم → (Education) اوسط تعلیمی سال (Mean Years of Schooling) + متوقع تعلیمی سال (Expected Years of Schooling)
3. آمدنی → (Income) فی کس قومی آمدنی (Gross National Income per capita, PPP)

ان تینوں کے اعداد و شمار کو ایک خاص فارمولے کے ذریعے 0 سے 1 کے درمیان اسکور میں تبدیل کیا جاتا ہے۔

جتنا HDI زیادہ (1 کے قریب) ہو، اتنا ہی وہ ملک زیادہ ترقی یافتہ اور فلاحی سمجھا جاتا ہے۔

جتنا HDI کم (0 کے قریب) ہو، اتنا ہی وہ ملک پسماندہ یا محروم سمجھا جاتا ہے۔

اب اسے مثالوں سے سمجھیں:

1۔ ناروے — اعلیٰ (0.961) HDI

- اوسط عمر: تقریباً 83 سال
- اوسط تعلیمی سال 13 : سے زیادہ
- فی کس آمدنی: تقریباً (PPP) $75,000

نتیجہ: ناروے کا HDI دنیا میں سب سے بلند ہے۔

یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہاں کے شہری زیادہ تعلیم یافتہ، صحت مند، اور خوشحال ہیں۔ حکومت تعلیم و صحت پر سب سے زیادہ خرچ کرتی ہے، اس لیے وہاں غربت تقریباً ختم ہو چکی ہے۔

2۔ پاکستان — کم HDI (0.540)

- اوسط عمر: تقریباً 67 سال
- اوسط تعلیمی سال 5–6 : سال
- فی کس آمدنی: تقریباً (PPP) $5,000

نتیجہ: پاکستان "کم انسانی ترقی" والے ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عوام کی بڑی اکثریت کو معیاری تعلیم، صحت، اور بہتر روزگار دستیاب نہیں۔

مثلاً:

- ایک دیہاتی بچے کو اسکول تک پہنچنے کے لیے کئی کلومیٹر چلنا پڑتا ہے، اور اکثر اسکول میں اساتذہ موجود نہیں ہوتے۔
- دیہی علاقوں میں ہسپتال کم ہیں، اور غریب آدمی کو علاج کے لیے قرض لینا پڑتا ہے۔
- درمیانی طبقہ بھی نجی تعلیم اور علاج کے اخراجات سے دباؤ میں ہے۔

یہ سب عوامل انسانی ترقی کے کم اشاریے کی علامت ہیں۔

3۔ بھارت — درمیانہ HDI (0.644)

- اوسط عمر 70 : سال

- اوسط تعلیمی سال 7 :سال
- فی کس آمدنی(PPP) $7,000 :

نتیجہ: بھارت "Medium Human Development" کی فہرست میں ہے۔

یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگرچہ بڑے شہروں (ممبئی، دہلی، بنگلور) میں ترقی ہوئی ہے، مگر دیہی اور غریب علاقوں میں اب بھی تعلیم و صحت کا فقدان ہے۔

4۔ نائیجر—انتہائی کم HDI 0.400 کے قریب

- اوسط عمر 60 :سال سے کم
- اوسط تعلیمی سال 2–3 :سال
- فی کس آمدنی $1,200 :سے کم

نتیجہ: انسانی ترقی انتہائی کم۔

یہاں لوگوں کو نہ تعلیم حاصل کرنے کا موقع ہے، نہ صحت کی سہولت، نہ آمدنی۔ یعنی بنیادی انسانی امکانات ہی محدود ہیں۔

نتیجہ:

HDI یہ دکھاتا ہے کہ کسی ملک کی معیشت انسان کی خدمت کر رہی ہے یا نہیں۔ مثلاً اگر کسی ملک میں GDP تو بڑھ رہا ہو مگر عوام کے:

- تعلیمی مواقع کم ہوں،
- ہسپتال غیر معیاری ہوں،
- اور عوام کی زندگی مختصر اور غریب ہو—
- تو HDI اسے "ترقی یافتہ" نہیں مانتا۔

Employment Rate اور Minimum Wage کی مثالوں سے بھی طبقاتی فرق سامنے آتا ہے۔ جاپان میں بیروزگاری کی شرح دو فیصد سے کم ہے اور ہر کارکن کو بنیادی اجرت کے ساتھ سماجی تحفظ بھی حاصل ہے۔ لیکن نائجیریا یا بنگلہ دیش میں لاکھوں لوگ غیر رسمی روزگار (informal sector) میں ہیں، جہاں نہ اجرت کا تعین ہے نہ کوئی قانونی تحفظ۔ یہی وہ مقام ہے جہاں نچلا طبقہ ہمیشہ غیر یقینی اور غیر محفوظ زندگی گزارتا ہے۔ مثال کے طور پر:

Employment Rate(روزگار کی شرح) اور Minimum Wage(کم از کم اجرت) دراصل وہ پیمانے ہیں جو کسی معاشی نظام کے اندر "انسانی وقار" اور "عدلِ معیشت" کی حالت کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ دونوں اشاریے بتاتے ہیں کہ ایک معاشرے میں کتنے لوگ باعزت روزگار پاتے ہیں، اور ان کی محنت کا معاوضہ اس حد تک ہے کہ وہ بنیادی ضروریاتِ زندگی پوری کر سکیں یا نہیں۔ اگر ان اشاریوں میں بگاڑ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ معیشت میں استحصال، طبقاتی فرق اور غیر مساوی مواقع موجود ہیں۔

1۔ Employment Rate (روزگار کی شرح)

یہ اشاریہ یہ بتاتا ہے کہ کل اہلِ محنت آبادی میں سے کتنے فیصد لوگ واقعی روزگار رکھتے ہیں۔ اگر کسی ملک میں روزگار کی شرح بلند) مثلاً 96–98٪) ہو، تو اس کا مطلب ہے کہ تقریباً سب کو کام مل رہا ہے۔ لیکن اگر یہ کم (مثلاً 80–85٪) ہو، تو اس کا مطلب ہے کہ بڑی تعداد میں لوگ بے روزگار ہیں یا غیر رسمی (informal) اور غیر محفوظ نوکریاں کر رہے ہیں۔

مثلاً:

جاپان اور سوئٹزرلینڈ میں بیروزگاری کی شرح صرف 2–3 فیصد ہے، یعنی وہاں تقریباً ہر شخص کے پاس روزگار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ریاست نے تعلیم، ہنرمندی اور صنعتی پیداوار کو اتنا مربوط کیا ہے کہ کسی کو روزی کے لیے غیر اخلاقی یا غیر محفوظ راستہ اختیار نہیں کرنا پڑتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ درمیانی طبقہ مضبوط ہے، غربت کم ہے، اور معاشرتی استحکام زیادہ ہے۔

اس کے برعکس پاکستان میں روزگار کی شرح تقریباً 94٪ بتائی جاتی ہے، مگر یہ گمراہ کن عدد ہے، کیونکہ اس میں غیر رسمی ملازمتیں (informal employment) بھی شامل ہیں — یعنی وہ لوگ جو مزدور، ریڑھی بان، یا عارضی مزدوری کر کے گزارا کرتے ہیں۔ حقیقت میں تقریباً 38٪ پاکستانی ایسے روزگار میں ہیں جس میں نہ معاہدہ ہے، نہ پنشن، نہ سوشل سکیورٹی۔ اس کا مطلب ہے کہ "روزگار تو ہے، مگر استحکام نہیں۔" یہی طبقاتی کمزوری کی جڑ ہے۔

بھارت میں بھی یہی صورت ہے۔ دیہی علاقوں میں لاکھوں لوگ زرعی مزدور ہیں جو صرف موسمی کام پاتے ہیں۔ جب فصل نہیں ہوتی تو وہ بیروزگار ہو جاتے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہے کہ نچلا طبقہ ہر چند ماہ بعد دوبارہ غربت میں دھنس جاتا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ محض روزگار کا ہونا کافی نہیں — "باوقار اور مستقل روزگار" ہونا اصل ترقی کی علامت ہے۔

2۔ Minimum Wage (کم از کم اجرت)

یہ وہ رقم ہے جو کسی ریاست نے قانونی طور پر ہر مزدور کو کم سے کم ادا کرنا لازم قرار دی ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی بنیادی ضروریات — خوراک، کپڑا، مکان، تعلیم، علاج — پوری کر سکے۔

اگر کسی ملک میں Minimum Wage زیادہ ہے اور اس پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے تو وہاں معاشی عدل قائم ہوتا ہے، نچلا طبقہ خوشحال ہوتا ہے، اور طبقاتی تفاوت کم ہوتا ہے۔ اگر Minimum Wage کم ہے یا نافذ نہیں، تو استحصال بڑھتا ہے، دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جاتی ہے، اور غربت نسل در نسل منتقل ہوتی ہے۔

مثلاً:

- ناروے میں کم از کم اجرت تقریباً 20$ فی گھنٹہ ہے، جس سے ایک مزدور ماہانہ تقریباً 3,500$–3,000$ کماتا ہے۔ وہاں حکومت یہ یقینی بناتی ہے کہ کسی بھی کارکن کی آمدنی اس حد سے نیچے نہ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ نچلے اور درمیانی طبقے کے درمیان فاصلہ بہت کم ہے۔
- پاکستان میں 2025 تک وفاقی سطح پر کم از کم اجرت تقریباً 150$–130$ (PKR 37,000–42,000) ماہانہ مقرر ہے، مگر حقیقت میں لاکھوں مزدوروں کو اس سے کم ملتا ہے۔ تعمیرات، زراعت، اور گھریلو کام کرنے والے مزدور اکثر PKR 15,000–20,000 پر کام کرتے ہیں۔ اس رقم سے نہ مکمل خوراک، نہ علاج، نہ بچوں کی تعلیم ممکن ہے۔ نتیجتاً نچلا طبقہ ہمیشہ محرومی میں رہتا ہے، جبکہ اوپری طبقہ سستی محنت سے دولت بڑھاتا ہے — یہی معاشی استحصال کی علامت ہے۔

- بنگلہ دیش میں گارمنٹس فیکٹریوں کے مزدوروں کی اوسط اجرت صرف 120$ ماہانہ ہے، حالانکہ انہی کپڑوں کی مصنوعات مغرب میں ہزاروں ڈالر میں فروخت ہوتی ہیں۔ یہ عالمی سرمایہ داری کے استحصالی ڈھانچے کی ایک واضح مثال ہے۔

یوں Employment Rate ہمیں بتاتا ہے کہ کتنے لوگ کام کر رہے ہیں اور کتنے محروم ہیں، جبکہ Minimum Wage یہ دکھاتا ہے کہ جو لوگ کام کر رہے ہیں، کیا وہ باعزت زندگی گزارنے کے قابل اجرت پا رہے ہیں یا نہیں۔

دونوں مل کر کسی ملک کے طبقاتی ڈھانچے کی حقیقت کھول دیتے ہیں۔

جہاں روزگار و اجرت میں توازن ہو، وہاں "عدلِ معیشت" ہوتا ہے۔

اور جہاں روزگار غیر محفوظ اور اجرت کم ہو، وہاں معیشت کے ظاہری اعداد و شمار بڑھنے کے باوجود روحِ انسانی ترقی یافتہ نہیں ہوتی۔

Cost of Living Index بھی اہم ہے۔ اگر کسی ملک میں اجرت بڑھ رہی ہو مگر مہنگائی اس سے زیادہ تیز ہو، تو دراصل عوام کی معاشی حالت بہتر نہیں بلکہ بگڑ رہی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر مصر اور ارجنٹینا میں افراطِ زر کی شرح بیس فیصد سے زیادہ ہے، جس نے درمیانی طبقے کی قوتِ خرید ختم کر دی ہے۔ مثال کے طور پر : Cost of Living Index (زندگی گزارنے کے اخراجات کا اشاریہ) اس بات کا پیمانہ ہے کہ کسی علاقے میں ایک عام فرد یا خاندان کو اپنی روزمرہ ضروریات — جیسے خوراک، رہائش، ٹرانسپورٹ، تعلیم، علاج، اور توانائی — پر کتنا خرچ کرنا پڑتا ہے۔ جب اس

اشاریے کو اجرتوں یا تنخواہوں کے ساتھ موازنہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی اصل (یعنی حقیقی) معاشی حالت بہتر ہو رہی ہے یا نہیں۔

فرض کریں کہ پاکستان کے ایک بڑے شہر — جیسے کراچی یا لاہور — میں کسی مزدور کی ماہانہ تنخواہ 30,000 روپے تھی اور ایک سال بعد وہ 35,000 روپے ہو گئی۔ بظاہر یہ پانچ ہزار روپے کا اضافہ خوش آئند لگتا ہے، مگر اگر اسی مدت میں اشیائے خورد و نوش، کرایہ، اور بجلی کے بل 25 فیصد بڑھ گئے ہوں تو مزدور کی اصل قوتِ خرید کم ہو جائے گی۔ یعنی وہ اب پہلے کی نسبت کم چیزیں خرید سکتا ہے، حالانکہ تنخواہ زیادہ ہے۔ اس صورت میں Cost of Living Index میں اضافہ ظاہر کرے گا کہ زندگی مہنگی ہو گئی ہے، اور مزدور کے معیارِ زندگی میں کمی آئی ہے۔

اسی طرح بھارت کے شہروں میں بھی دیکھا گیا ہے کہ جب مہنگائی (inflation) کی شرح 7 سے 8 فیصد ہو اور مزدوروں کی اجرت صرف 3 سے 4 فیصد بڑھے، تو عوام کی حقیقی آمدنی گھٹ جاتی ہے۔ وہ پہلے جتنی رقم میں جن اشیاء کو خرید سکتے تھے، اب اتنی رقم میں آدھی چیزیں بھی نہیں خرید پاتے۔ مثلاً ایک خاندان جو پہلے دس ہزار روپے میں مہینے بھر کا راشن لیتا تھا، اب اسے وہی راشن بارہ یا تیرہ ہزار میں ملتا ہے، جبکہ آمدنی میں صرف ایک ہزار کا اضافہ ہوا ہے۔ نتیجتاً وہ تعلیم، صحت یا بہتر خوراک پر کم خرچ کرنے لگتا ہے — یہی طبقاتی فرق کو بڑھاتا ہے۔

Cost of Living Index دراصل معاشی "خوش فہمی" کو بے نقاب کرتا ہے۔ بظاہر معیشت میں اجرتیں بڑھ رہی ہوں یا GDP میں اضافہ دکھایا جا رہا ہو، لیکن اگر عوامی قوتِ خرید کم ہو رہی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ متوسط اور نچلے طبقے کی حالت خراب ہو

رہی ہے۔ اس لیے کسی ریاست کے طبقاتی توازن کو سمجھنے کے لیے صرف تنخواہوں کو نہیں بلکہ ان کے مقابلے میں زندگی کے اخراجات کو بھی دیکھنا ضروری ہوتا ہے، کیونکہ حقیقی فلاح کا دارومدار اسی پر ہے کہ عوام اپنی محنت کی کمائی سے باعزت زندگی گزار سکتے ہیں یا نہیں۔

ان سب مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاشی اشاریے صرف عددی پیمانے نہیں بلکہ ایک قوم کی روحانی اور اخلاقی حالت کی جھلک بھی دیتے ہیں۔ اگر کسی ملک میں Gini Index بڑھ رہا ہو، غربت کم نہ ہو رہی ہو اور دولت چند خاندانوں کے پاس مرتکز ہو رہی ہو تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ نظام میں عدل نہیں بلکہ استحصال موجود ہے۔ اس کے برعکس جہاں تعلیم، صحت، انصاف اور محنت کے ثمرات سب کے لیے دستیاب ہوں، وہاں معیشت صرف ترقی یافتہ نہیں بلکہ منصف بھی ہوتی ہے۔ یہی وہ تصور ہے جسے اسلام ایک فلاحی اور الٰہی ریاست کے بنیادی معیار کے طور پر پیش کرتا ہے۔

پاکستان میں شہروں اور دیہی علاقوں میں مختلف اشاریوں کی بنیاد پر طبقاتی اقتصادی حالت کا جائزہ کچھ یوں بنتا ہے:

سب سے پہلے غربت کی سطح سے دیکھا جائے تو حالیہ "Digital Panel Household Survey 2024" نے بتایا ہے کہ پورے ملک کی غربت کی شرح تقریباً ۳۰.۵٪ ہے، اور دیہی علاقوں میں یہ شرح ۳۶.۶٪ جبکہ شہری علاقوں میں تقریباً ۱۷.۸٪ ہے۔ Profit by Pakistan Today یہ فرق واضح کرتا ہے کہ دیہی آبادی کو شہری آبادی کے مقابلے میں اقتصادی طور پر کم مواقع اور سہولیات ملتی ہیں۔

Business Recorder+1

خانوادہ–روزگار اور اجرت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو غیر ماہر مزدوراں کا اکثر حصہ گھر کے قریب یا دیہی علاقوں میں رہتا ہے، اور زیادہ تر انہیں سرکاری مقرر کردہ کم از کم اجرت بھی نہیں ملتی۔ مثال کے طور پر، غیر ماہر مزدوروں کا تقریباً ٪۸۰ حصہ وہ اجرت نہیں پاتا جو قانونی کم از کم ہے۔ The Express Tribune+1 دیہی علاقوں میں کھیتوں اور بِلک چِمن کا کام کرنے والوں کو اکثر صرف چند ہزار روپے ماہانہ ملتے ہیں، جو کہ کم از کم اجرت کے مقررہ سطح سے بہت نیچے ہے۔ Dawn+1

کچھ شہروں میں رہنے والوں کی حالت نسبتاً بہتر محسوس ہو سکتی ہے، مگر مہنگائی، رہائش، تعلیم، صحت اور بنیادی سہولیات کی قیمتیں شہر میں بہت زیادہ ہیں۔ شہری میں اجرتیں تو زیادہ ہو سکتی ہیں، لیکن قیمتیں بھی اتنی بڑھ جاتی ہیں کہ عام متوسط طبقہ اور خاص کر نچلا درمیانی طبقہ بھی اکثر شدید دباؤ میں رہتا ہے۔

معاشری ترقی اور انسانی فلاح کے پیرامیٹرز پر پاکستان کا مجموعی ہیومن ڈیولپمنٹ انڈیکس (HDI) تقریباً ۰٫۵۴۰ کے عدد پر ہے، جو "کم انسانی ترقی" کی کیٹیگری میں آتا ہے۔ (The News International+1) صوبائی اور ضلع سطح پر فرق بہت واضح ہے: مثلاً سندھ کا شہر ہائے حصہ، پنجاب کا شہری حصہ اور شمال مغربی صوبوں کے شہری علاقے ترقی میں نسبتاً بہتر ہیں، جبکہ دیہی علاقوں اور خاص طور پر بلوچستان جیسے علاقوں میں یہ انڈیکس بہت کم ہے۔ (The New Humanitarian+2World Bank+2)

دولت کی تقسیم یا عدم مساوات کے معاملے میں Gini Coefficient کا استعمال ہوتا ہے۔ پاکستان میں یہ عدد عام طور پر ~۳۰–۳۲ کے درمیان ناپا گیا ہے، جو یہ بتاتا ہے کہ

معاشی عدم مساوات معتدِل ہے مگر کم نہیں۔(World Bank+1)عدم مساوات کم ہونے کی کچھ کوششیں ہوئیں ہیں، مگر پھر بھی اوپر کے طبقے کا حصہ نسبتاً مستحکم رہتا ہے، جبکہ نچلے طبقے کو اندرونی تفاوت اور بیرونی مالی و مر افقی تحدیات کا سامنا ہے۔

تعلیم اور بنیادی سہولیات کے اشاریے بھی دیہی اور چھوٹے شہروں میں بہت کم ہیں۔ لوگ دیہی علاقوں میں تعلیم کے فقدان، بیماریوں کی رسائی میں کمی، بیمار یا بچوں کی صحت و حفاظتی نظام میں کم دستیابی کی وجہ سے بوجھ محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً تعلیم کی شرح دیہی خواتین کی نسبت کم ہے، بچوں کی شرح شرکت (enrolment) کم ہے، طبی سہولیات شہر کی نسبت دیہات میں بہت ناکافی ہیں۔ (The News International+2Pakistan Today+2)

یہ جائزہ بتاتا ہے کہ پاکستان میں:

- اوپری طبقہ نسبتاً سہولتوں اور مر افق تک رسائی میں بہتر ہے، مگر وہ تعداد کم ہے۔
- درمیانی طبقہ شہروں میں کچھ بہتری محسوس کرتا ہے، مگر مہنگائی، کمزور اجراء شدہ قانون، اجرتوں اور روزگار میں غیر استحکام کی وجہ سے اکثر دباؤ میں ہے۔
- نچلا طبقہ خاص طور پر دیہی علاقوں میں شدید محرومی میں ہے: غربت، کم آمدنی، بنیادی سہولیات کا فقدان، تعلیم و صحت میں کم رسائی۔

اسلامی نقطۂ نظر سے ان اشاریات کو محض مادی نہیں بلکہ اخلاقی پیمانوں کے ساتھ بھی ناپا جاتا ہے۔ مثلاً یہ دیکھا جاتا ہے کہ کیا معاشی سرگرمیوں میں ظلم، سود، اور اجارہ داری نہیں ہے؟ کیا عوام کو ان کے حقوق، اجرت، اور بنیادی ضروریات عدل و امانت کے ساتھ

مل رہے ہیں؟ یہی وہ پہلو ہے جو ایک معاشی نظام کو صرف ترقی یافتہ نہیں بلکہ انسانی اور الٰہی طور پر منصف بناتا ہے۔

معاشی کیفیت کی فوری جانچ کے سوالات:

کسی فرد یا خاندان کی حقیقی معاشی حالت ہمیشہ اس کی ظاہری آمدنی سے ظاہر نہیں ہوتی، بلکہ اُس کے معاشی رویوں، ضروریات کے حصول کے طریقے اور روزمرہ ترجیحات سے زیادہ درست انداز میں جانی جاسکتی ہے۔

نچلے طبقے کے کسی شخص کی حالت سمجھنے کے لیے چند ایسے سیدھے مگر گہرے سوالات یا اشارے ہوتے ہیں جن کے جوابات اُس کے مالی استحکام یا محرومی کی فوری تصویر پیش کر دیتے ہیں۔

ذیل میں وہ اہم سماجی و معاشی اشاریے سوالات کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں، جن کے جوابات سے کسی کی طبقاتی حالت کو سمجھنا ممکن ہوتا ہے:

اگر اس سے پوچھا جائے:

"مہینے کے آخر میں کچھ بچت ہو جاتی ہے یا ادھار لینا پڑتا ہے؟"

تو اگر وہ کہے کہ اکثر ادھار لینا پڑتا ہے، یہ واضح اشارہ ہے کہ اُس کی آمدنی اُس کے ضروری اخراجات کے لیے بھی ناکافی ہے۔ یہی نچلے طبقے کا بنیادی نشان ہے۔

اگر پوچھا جائے:

"بچوں کی تعلیم کا خرچ کیسے اٹھاتے ہیں؟"

اور وہ بتائے کہ بچے سرکاری اسکول یا دینی مدرسے میں مفت تعلیم حاصل کرتے ہیں، یا فیسیں قسطوں میں ادا کی جاتی ہیں، تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کی مالی حالت غیر مستحکم ہے۔

اگر سوال ہو:

"گھر اپنا ہے یا کرائے کا؟"

اور وہ بتائے کہ وہ کرائے کے مکان میں رہتا ہے اور ہر چند ماہ بعد مکان بدلنا پڑتا ہے، تو یہ بھی مالی دباؤ اور معاشی عدمِ استحکام کی علامت ہے۔

اگر پوچھا جائے:

"بیماری کی صورت میں کیا کرتے ہیں؟"

اور جواب ہو کہ "ڈاکٹر کے پاس جانے کے بجائے گھریلو ٹوٹکے یا قریبی کلینک سے دوائی لیتے ہیں"، تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ صحت کی سہولیات اُس کی پہنچ سے باہر ہیں — جو نچلے طبقے کی ایک نمایاں نشانی ہے۔

اگر سوال ہو:

"بجلی، گیس، یا بچوں کے اسکول کی فیس وقت پر دے پاتے ہیں؟"

اور جواب ہو "کبھی کبھی تاخیر ہو جاتی ہے"، تو یہ مالی دباؤ کی شدت بتاتا ہے۔

اگر پوچھا جائے:

"مہینے میں کتنی بار گوشت یا پھل خریدتے ہیں؟"

اور وہ کہے "کبھی کبھار، خاص مواقع پر"، تو یہ خوراکی محرومی (food poverty) کی واضح علامت ہے۔

اگر سوال کیا جائے:

"کبھی بچوں کے لیے نیا کپڑا یا جوتا لینے میں مشکل ہوتی ہے؟"

اور وہ کہے "اکثر پرانے کپڑے یا سستے بازار سے لیتے ہیں"، تو یہ بھی معاشی کمزوری کی علامت ہے۔

اگر پوچھا جائے:

"آپ کے پاس کتنی آمدنی کے ذرائع ہیں؟"

اور وہ کہے "بس ایک ہی، روز کی مزدوری یا چھوٹا کام"، تو یہ معاشی نچلے طبقے کی نمایاں پہچان ہے۔

یہ تمام سوالات بظاہر روزمرہ نوعیت کے ہیں، لیکن ان کا تجزیہ معاشی فہم (economic insight) فراہم کرتا ہے۔

ان جوابات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرد کے پاس:

1. آمدنی غیر مستحکم ہے،
2. بچت یا سرمایہ کاری کی گنجائش نہیں،
3. صحت و تعلیم جیسی بنیادی سہولیات اس کی دسترس سے باہر ہیں،
4. خوراک اور رہائش کے معیار میں کمی ہے،
5. زندگی زیادہ "survival mode" میں گزر رہی ہے نہ کہ "growth mode" میں۔

اسلامی فہم کے مطابق یہی وہ فرد ہے جو حقِ بیت المال کا مستحق ہے، جس کے بارے میں امام علیؑ فرماتے ہیں:

"اللہ نے مالداروں کے اموال میں غریبوں کا حق رکھا ہے، اگر وہ ادا کر دیں تو کوئی فقیر باقی نہ رہے۔"

جس طرح کسی شخص کی مالی حالت چند مخصوص سوالات سے سمجھی جا سکتی ہے، اسی طرح کسی ریاست کی معاشی صحت بھی چند بنیادی "اشاریاتی سوالات" سے فوراً پہچانی جا سکتی ہے۔

یہ سوالات کسی ملک کے اعداد و شمار کے بجائے اس کے نظامِ زندگی کی کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں — یعنی لوگوں کا طرزِ معاش، روزگار، دولت کی گردش، اور حکومت کی ترجیحات کیا ہیں۔

ذیل میں وہ چند اشارے (Indicators) سوالات کی صورت میں بیان کیے جا رہے ہیں، جن کے جوابات سے کسی ریاست کے نچلے، درمیانی اور اوپری طبقے کی مجموعی حالت اور ریاست کی "اصل معاشی حقیقت" واضح ہو جاتی ہے۔

اگر پوچھا جائے:

"کیا اس ریاست میں عام شہری اپنی آمدنی سے بنیادی ضروریات — خوراک، رہائش، علاج اور تعلیم — پوری کر سکتا ہے؟"

تو اگر جواب "نہیں" ہو، تو یہ ریاست ظاہری GDP کے باوجود اندرونی طور پر کمزور اور طبقاتی طور پر غیر متوازن ہے۔

اگر پوچھا جائے:

"کیا اس ملک میں متوسط طبقہ بڑھ رہا ہے یا سکڑ رہا ہے؟"

اگر درمیانی طبقہ ختم ہو کر صرف دو انتہائیں باقی رہ جائیں — امیر اور غریب — تو یہ معیشت کے استحصالی اور غیر منصفانہ ہونے کی علامت ہے۔

اگر سوال ہو:

"کیاعام شہری کو صحت اور تعلیم کی معیاری سہولت حکومت سے مفت یا مناسب قیمت پر مل رہی ہے؟"

اگر نہیں، تو یہ ریاست کی سماجی ذمہ داری کے فیل ہونے کا ثبوت ہے، خواہ ملک ترقی یافتہ ہونے کا دعویٰ کرے۔

اگر پوچھا جائے:

"کیا اس ریاست میں روزگار میرٹ، قابلیت اور محنت سے ملتا ہے یا تعلقات، سفارش اور طبقاتی روابط سے؟"

اگر دوسرا جواب درست ہو، تو یہ ریاست "productive" نہیں بلکہ "patronage economy" میں بدل چکی ہے، جہاں ترقی محنت سے نہیں بلکہ طاقت سے ملتی ہے۔

اگر سوال کیا جائے:

"کیا اس ملک میں کسان، مزدور اور چھوٹے تاجر اپنے کام سے عزت کی زندگی گزار سکتے ہیں؟"

اگر نہیں، تو یہ معیشت کی جڑوں میں استحصال کا موجود ہونا ظاہر کرتا ہے، کیونکہ اصل معیشت انہی طبقات سے چلتی ہے۔

اگر پوچھا جائے:

"کیا کرپشن، قرض اور تجارتی خسارہ کم ہو رہا ہے یا بڑھ رہا ہے؟"

اگر یہ بڑھ رہے ہوں، تو اس کا مطلب ہے کہ ریاست اپنی داخلی پیداوار پر نہیں بلکہ بیرونی قرضوں اور درآمدات پر زندہ ہے، جو دیرپا کمزوری کی علامت ہے۔

اگر سوال ہو:

"کیا دولت چند خاندانوں، کارٹیلوں یا کارپوریٹ گروپوں کے ہاتھ میں مرتکز ہے؟"

اگر ہاں، تو یہ "Wealth Capture Economy" کی صورت ہے، جہاں عوام محنت کرتے ہیں مگر منافع بالا طبقہ سمیٹ لیتا ہے۔

اگر پوچھا جائے:

"کیا حکومت کی پالیسیاں اشرافیہ کے مفاد میں زیادہ ہیں یا عام عوام کے؟"

اگر پالیسیاں صرف سرمایہ دار یا سیاسی طبقے کو تحفظ دیتی ہیں — جیسے ٹیکس رعایتیں، قرض معافیاں، یا زمینوں کی الاٹمنٹ — تو یہ استحصالی معیشت کی علامت ہے۔

اگر پوچھا جائے:

"کیا عوام کے درمیان جرم، بے روزگاری اور ذہنی دباؤ بڑھ رہا ہے؟"

یہ سب "economic stress indicators" ہیں۔ جب معیشت توازن کھو دیتی ہے تو معاشرہ نفسیاتی اور اخلاقی بحران میں داخل ہوتا ہے۔

اگر سوال کیا جائے:

"کیا ملک کی ترقی کا فائدہ دیہی علاقوں اور نچلے طبقات تک پہنچ رہا ہے یا صرف بڑے شہروں تک محدود ہے؟"

اگر ترقی صرف شہری مراکز میں دکھائی دیتی ہے تو یہ "urban illusion" ہے — یعنی ترقی کا منظر مصنوعی ہے، حقیقت میں محرومی بڑھ رہی ہے۔

یہ سوالات کسی ملک کے GDP ، کرنسی یا اعداد و شمار سے زیادہ مؤثر ہیں، کیونکہ یہ انسانی سطح پر معیشت کی حقیقت کو ننگا کر دیتے ہیں۔

اگر ان کے زیادہ تر جوابات "نہیں" میں ہوں، تو مطلب ہے کہ ریاست کا نظامِ معیشت غیر عادلانہ، طبقاتی اور استحصالی ہے۔

اور اگر زیادہ تر جوابات "ہاں" میں ہوں، تو وہ ریاست "productive justice economy" رکھتی ہے — جہاں دولت پیدا بھی ہوتی ہے اور منصفانہ تقسیم بھی۔

اسلامی تناظر میں یہ وہی معاشی عدل ہے جسے قرآن نے "قِسْط" کہا ہے، اور جس کی بنیاد زکات، انفاق، بیت المال، اور دولت کی گردش پر رکھی گئی ہے۔

اسلامی نظام میں ریاست کی معاشی صحت کا اصل پیمانہ یہ ہوتا ہے کہ:

"کیا اس کے سب سے کمزور شہری بھی بھوک، خوف اور بے عزتی سے محفوظ ہیں؟"

اگر ہاں، تو وہ ریاست مضبوط ہے۔ اگر نہیں، تو خواہ اعداد و شمار کچھ بھی کہیں — وہ اندر سے بیمار ہے۔

تحریر: ChatGPT

ہدایات و راہنمائی: سید جہانزیب عابدی